SEP 1985

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؎ اڈیٹر: سید قدامۃ اللہ

نارجیلستان میں نخلستانِ بطحیٰ کا سماں ؎ دیکھنا ہے گران آنکھوں سے تو مالا بار چل

صفاتِ الٰہی میں سے وقت بھی ایک خدائی صفت ہے جس کی ابتداء اور انتہا ذاتِ باری کی طرح انسانی معلومات سے باہر ہیں۔ لمحہ گھنٹہ دن ہفتہ ماہ سال اور صدی وغیرہ انسان نے اپنی دانست کے سہارے چند پیمانے مقرر کر لئے ہیں، حالانکہ وقت ان تمام بندشوں سے آزاد ہے اور وہ کسی حیثیت سے بھی ان پیمانوں میں مقید ہو کے نہیں رہ سکتا اور یہ بھی یقینی ہے کہ وقت کی رفتار کو روکنا انسان کے بس کی بات نہیں ہے اللہ رب العزت نے وقت کا استعمال انسان کے قبضۂ قدرت میں دے رکھا ہے وقت کسی کا انتظار نہیں کرتا ہے اور وقت اس سے بھی بے پرواہ ہے کہ وہ غلط استعمال کیا جائے یا صحیح۔ اگر کوئی انسان وقت کو صحیح طور پر استعمال کیا تو وہ بام عروج پر پہنچ کر حیاتِ جاوید حاصل کر لیتا ہے اور جس نے اس کو غلط استعمال کیا وہ یا تو قعرِ مذلت میں گر کر رخِ انسانیت پر بدنما داغ بن جاتا ہے یا صفحۂ ہستی سے مٹ کر نسیاً منسیا ہو کے رہ جاتا ہے۔ بہرکیف انسانی زندگی کے عروج و زوال میں وقت کا اہم رول رہا ہے

اسمائے اوقات میں پچیس سال کا پیمانہ حیاتِ انسانی کا ایک طویل وقفہ ہے مگر ایک بلند مقصد قومی وملی ادارے کیلئے تاریخ میں یہ عرصہ دراز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ہاں اس کے قیام، استحکام اور حصول مقاصد کے لئے یہ کافی اہم مدت شمار کی جا سکتی ہے۔ اکثر ادارے اس قدر عرصہ پاکر اپنے ماضی کا جائزہ لیتے ہیں حال کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر اپنے مستقبل کی نشاندہی کر لیتے ہیں اور صحت مند شعار کی تعمیر کیلئے از سرِ نو نئے تدابیر کی فہرست بنا کر جادۂ ارتقاء پر چلنے لگتے ہیں۔ اسی طرح فاروق کالج مسلمانانِ کیرلہ کے ترقیاتی رجحانات اور جدید تعلیم کی طرف پہلا قدم تھا جو امسال مذکورہ موقف پر پہنچ کر جشنِ سیمیں کے اجلاس سے مسلم تاریخ کیرلا میں ایک زریں باب کھول دیا ہے۔ جشنِ سیمیں درحقیقت اس کے ماضی کا آئینہ ہے جہاں اس کے مقاصد کی کامیابی کی حد دکھائی دیتی ہے اور اس کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسنے اپنے مقصد میں کس حد تک قومی اور ملی اصلاح کی ہے اور اس سلسلہ میں اس کا کیا مقام ہے۔

ماضی کا آئینہ: ۔ ۱۲ اگست ۱۹۴۸ء میں پانچ اساتذہ اور پینتیس ۳۵ طلباء پر مشتمل ایک عارضی عمارت میں فاروق کالج کی بنیاد پڑی۔ بفضلہ تعالیٰ ایک ہی سال کی قلیل مدت میں اپنی مختصر سی ذاتی عمارت میں منتقل ہو کر یہ کالج راہ ترقی پر گامزن ہو گیا۔ اپنی عمر کی پچیس منزلیں طے کر کے ماضی پر نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ ۔ ۔ ایکڑ وسیع قطعۂ

ارض پر حاوی ہو کر تقریباً پندرہ لاکھ روپیوں کی لاگت پر کئی شاندار تعلیم گاہ تعمیر کر لئے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً تیرہ لاکھ روپیہ خرچ کر کے اساتذہ اور طلبا کے لئے دیدہ زیب قیام گاہ بھی تیار کئے ہیں جنمیں طالبات کے لئے ایک زنانہ رہائش گاہ علیحدہ موجود ہے۔ مردانہ رہائش گاہوں میں سات سو طلبا کا قیام ہے۔ عملی تعلیم کے لئے پانچ لاکھ روپیوں کے سائنٹفک آلات پر مشتمل ایک سہولت بخش سائنس لیبوریٹری بھی موجود ہے اور مطالعہ کے لئے تقریباً ساڑھے چار لاکھ روپیہ کا قیمتی کتب خانہ بھی تیار کیا گیا ہے جہاں طلباء اور طالبات کی ذہنی علمی اخلاقی اور دینی و دنیوی تربیت کے لئے اعلیٰ کتب اور مخطوطات موجود ہیں۔

۱۹۷۰ء کے معائنہ کی روئداد کے مطابق طلبۂ العلوم، اساتذہ اور عملہ کی تفصیل حسب ذیل ہے

	طلباء	طالبات	اساتذہ	دفتری عملہ
فاروقی کالج	۱۵۷۲	۴۲۷	۹۰	۵۳
ہوسٹل	۵۷۹	۱۱۲	۱۴	۶۰
بی ایڈ ٹریننگ کالج	۱۰۰	۳۸	۷	۷
عربی کالج	۱۲۰	-	۷	۳
ہائی سکول	۱۱۱۲	۳۴۷	۳۷	۶
عربی ہوسٹل	۱۱۰	-	۲	۳
ہائی سکول ہوسٹل	۸۰	-	۲	۹
پرائمری سکول	۳۱۳	۱۴۹	۸	۳

فی الحال کالج کے بی ڈگری اور ڈگری کے درجوں میں کالی کٹ یونیورسٹی کے منظور شدہ اکثر و بیشتر مضامین موجود ہیں البتہ پوسٹ گریجویٹ کورس میں عربک، انگلش، کیمسٹری، میتھس اور کومرس منظور شدہ ہیں۔ ان کے علاوہ آئی اے ایس کوچنگ کلاس بھی لئے جاتے ہیں۔ خواہش مند طلباء کے خارجی اوقات کو ضائع نہ کرنے کے لئے الکٹریکل اور ریڈیو میکانک کے عمل گاہ بھی قائم ہیں۔

جشن سیمیں کی یادگار کے طور پر حلقہ کالج کے علاوہ عوام کی سہولت کے پیش نظر ایک میڈیکل سنٹر جاری کیا ہے اور جسمانی صحت کی حفاظت و استحکام کے لئے جمنازیم بھی تعمیر کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ ریسرچ سکالرس کے لئے علمی و عملی مرکز کے انجام پر بھی خاص طور پر توجہ دی جا رہی ہے۔ فاروقی کالج بحمداللہ پچیس سال

کے بعد اپنی عمر کی دوسری ربع صدی میں قدم رکھ کر ایک صالح اور صحت مند جدید نسل کی تخلیق پر کمربستہ ہے اور یہ عنایتِ خداوندی ہے کہ قومی و ملی خدمت گاروں کی فہرست میں ہر سال کوئی نہ کوئی فارغ التحصیل طالب علم آفتاب بن کر طلوع ہوتے رہتا ہے۔ دربارِ ایزدی میں دعا ہے کہ فارق کالج دن بدونی رات چوگنی ترقی کرے اور ایک نیک اور صالح معاشرہ پیدا کرنے کا اعلیٰ مرکز بن جائے۔ آمین۔

یادوں کا اجالا

مانوس ہو چلا تھا تسلی سے حالِ دل ؛ پھر تم نے یاد آ کے پھر سے نور کر دیا۔ — شرر صہبائی

ہم ہی میں تھی نہ کوئی بات، یاد نہ تم کو آ سکے ؛ نہ تم نے ہمیں بھلا دیا، ہم نہ تمہیں بھلا سکے۔ — حفیظ جالندھری

میں آج صرف محبت کے غم کروں گا یاد ؛ یہ بات ہے کہ تیری بھی یاد آ جائے — فراق

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں ؛ کسی بہانے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں۔ — فیض احمد فیض

خلش تھی دل میں مگر اتنی بے کلی تو نہ تھی ؛ ضرور آج انہیں یاد آ رہا ہوں میں۔ — عنایت شاہ دانی

کوئی یوں پاس سے گزرا کہ تری یاد آئی ؛ وہی مہتاب سا چہرہ وہی خوشبوئے بدن۔ — محمود ایاز

حالِ دل کہنے بڑی شان سے آئے تھے خمار ؛ اب جو سننے کو وہ بیٹھے ہیں تو کچھ یاد نہیں۔ — خمار

اجالا اپنی یادوں کا ہمارے ساتھ رہنے دو ؛ نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے۔ — بشیر بدر

غم کے دوزخ میں جھلس جائے تصور نہ تیرا ؛ اے میری جنتِ گم گشتہ! مجھے یاد نہ آ۔ — خان ارکان

موجِ تبسم

۱ — شاعرہ کے انا و نسرشری کنور مہندر سنگھ بیدی سحر نے اعلان کیا کہ میں اب ملک کے چوٹی کے شاعر حضرت فنا نظامی کو دعوتِ سخن دیتا ہوں۔ حضرت فنا اپنی ریشِ دراز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے فرمایا کہ چوٹی کے شاعر آپ ہی تو ہیں میں تو داڑھی کا شاعر ہوں۔

۲ — قومی ہیکل اور کوہ پیکر شاعر انور صابری نے ایک مشاعرہ میں اپنی ناسازیٔ طبع کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں حال ہی میں ڈبل نمونیا کا شکار ہو چکا ہوں..... فوراً ایک بیباک سامع نے چلا کر کہا کہ حضور! سنگل نمونیا آپ کا یگانہ بھی کیا سکتا ہے۔

۳ ۔ حضرت قتیل باندی ایک مشاعرہ میں خوب داد سخن حاصل کر کے ڈائس سے اتر کر اپنے جوتے پہن رہے تھے۔ کالج کے چند نا شائستہ طلبا نے ایک اور ایک اور کا شور بلند کر کے انہیں توہین کرنے کی کوشش کی جناب قتیل نے دست بستہ معذرت کی اور کہا حضور! اب نہیں باندھ چکا ہوں

کامیابی کا راز!

از عبدالعظیم

کائنات ایک کھلا ہوا قدرت کا عطا کردہ صحیفہ ہے جس کے ہر صفحے پر حکمت و بصیرت کے موتی بکھرے ہوئے ہیں انسان کیلئے اختیار کلی ہے خواہ ان سے اپنا دامن بھر لیں خواہ نظر انداز کر دیں اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ ابتدائے آفرینش سے انسان کامیابی کے لئے جدوجہد کرتا آرہا ہے۔ حصول کامیابی کا گر آپکو نپولین ہل کے قول میں ملے گا "قوت اور کامیابی مترادف الفاظ ہیں جو شخص اس راز سے واقف ہے وہ اپنی قوت سے دوسروں کا اشتراک حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔

کامیاب زندگی مسرت اور خوشی سے حاصل ہوتی ہے مسرت حلقۂ احباب کے روابط میں پوشیدہ ہے ملنے جلنے سے بہت کام ہوتے ہیں اور یہ کام صرف کام ہی نہیں ہوتے بلکہ خوش وقتی کا ذریعہ بھی ہیں۔ حلقۂ احباب کے روابط سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے خیالات میں وسعت پیدا ہوتی ہے زندگی میں حرکت آجاتی ہے اور حرکت درحقیقت زندگی کا دوسرا نام ہے۔ جو لوگ حلقۂ احباب سے جی چراتے ہیں اور مجلسوں سے کتراتے ہیں وہ اپنی زندگی میں جمود پیدا کر لیتے ہیں اور علامہ اقبال کی زبان میں جمود زندگی کی موت ہے خود مرکزیت ایک روگ ہے جس سے قوائے انسانی پر افسردگی چھا جاتی ہے۔ دوسرے انسانوں کی دلچسپیوں میں شریک ہونے اور ان کی مذاق پر حصہ لینے سے انسان خود مرکزی کے بجائے خود فراموشی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں غم سے نجات ملتی ہے۔

باڑی گاہِ حیات میں کامیابی کا اصول محبت ہے محبت اپنے وسیع معنی میں ایک عالمگیر طاقت ہے اس طاقت کو ذاتی فائدے کیلئے استعمال نہ کریں بلکہ دوسروں کیلئے جینے کے ذرائع مہیا کرنے میں استعمال کریں آپ اس کی افادیت کو دیکھ کر دنگ رہ جائیں گے۔

جو لوگ محبت کو اپنی ذات اور نفس کے فائدے کیلئے استعمال کرتے ہیں اس کا دائرۂ تخیل بہت محدود ہو جاتا ہے جس سے انکی اپنی قابلیتوں میں بے مائگی دکھائی دیتی ہے اور یہی کامیابی کی راہ کا پتھر ہے۔ اس کے بعد ہمارے شکوک، ڈر، خوف اور خود اعتمادی کی کمی زندگی کو بھیانک کر دیتی ہے۔ اور یہ احکام الٰہی کے فطری تقاضوں سے کنارکشی کا نتیجہ ہے۔

فقيد الادب العربى الدكتور طه حسين

خطاب ألقاه الأستاذ محمد كشيرى فى احتفال عقد بالكلية بمناسبة وفاة الدكتور طه حسين

يسرنى أن افتتح حديثى بكلمات قالها توفيق الحكيم اكبر كتاب المسرحية فى وفاة الدكتور طه حسين : «انك ايها الصديق العزيز اذ تعبر اليوم الدار الفانية الى الدار الباقية انما تعبرها بنفس مطمئنة راضية بعد ان عبرت بلادك الهزيمة . ان روحك العظيمة لم تشأ ان تفارق جسدك الا بعد ان فارق اليأس روح مصر» . وكانت هذه العبارة الاخيرة مكتوبة على باب القاعة التى وضعت فيها جنازة الدكتور . ان شعب مصر اذ شيعه فى ٣١ اكتوبر ١٩٧٣ ، انما شيع اكبر مناضل من اعز ابناء العرب . وكانت حكومة مصر اعلنت ان تكون تشييع الجنازة رسميا ، للعميد الادب العربى من مكانة ووفاء وتقدير . فخرج موكب الجنازة من تحت قبة جامعة القاهرة ملفوفا بعلم مصر . وكان مشتركا فى الموكب كبار الشخصيات المصرية ، بينهم نائبا رئيس الجمهورية ووزراء مصريون وعرب ، بينهم من كان تلامذة للفقيد واساتذة الجامعات ومديريها وبعض السفراء العرب والاجانب . ومن الجدير بالذكر ان الطلاب الجامعيين العرب هم الذين كانوا يحملون الجنازة مرتدين لزى المقاومة الشعبية

وكيف لا يودع العرب فقيدهم بهذا التكريم البالغ ، اليس ما يأكلونه ثمرات حلوة انتجتها خد ما ته الجليلة . كان طه طول حياته مكافحا فى سبيل العلم ، وقائد ثورة تعليمية كبيرة . اليس هو الذى انشأ جامعة الاسكندرية الى جامعة القاهرة . وهو الذى انشأ جامعة عين شمس ووضع نواة جامعة اسيوط ، وجمع التبرعات لجامعة المنصورة . وهو الذى قرر مجانية التعليم الابتدائى والثانوى فى مصر . صرخ فى وجه الدولة : ان العلم كالماء والهواء ، فهو حق حيوى ينبغى ان يتاح لكل فقير وغنى ، ولكل ذكر وانثى ، كما يتاح الماء والهواء ، فطه هو رائد فلسفة تعليمية مبتكرة قدمها لامام العالم .

تفيدنا الاحصاءات ان النساء اكثر عدد امن الذكور فى كليات مصر ، ولاسيما فى كليات الادب . ولكن قدمر على مصر عهد لم يبح للمرأة ان تطلب العلم مع الرجل فى المعاهد العلمية . واما هؤلاء البنات فى جامعات مصر اليوم فهن شعاع لثورة تعليم المرأة كان قائدها طه حسين . لانه هو اول من فتح ابواب الكلية للنساء . ولكن هذا الاجراء ابغض العقول الضيقة، فكلفوه ثمناغاليا قالوا : ان الدين ينهدم اذا دخلت المرأة فى الجامعة . وقاد وامظاهرة باسم الدين تهتف بسقوط طه. وتقترب المظاهرة من جامعة القاهرة التى هو عميدها، فيستأذنه طلابه ان يقودوا مظاهرة معادية حتى يردوهم بخيبة الامل . ولكن الاستاذ لم يقبل . وينصحه اساتذة الجامعة بالخروج من المكتب فرارا بالنفس . ولم يقبل ذلك ايضا . ووصل المتظاهرون الى غرفة يجلس ذلك الضرير المسكين فى زاوية منها . فلم يتحرك ولم يصوت . وهدم المتظاهرون تلك الحجرة ، وصبوا عليه اسواط الشتم ، وسقوه كؤوس المرارة . ثم انصرفوا.....هذا هو طه حسين ، وهؤلاء هم رجال الدين الذين طعنوا عليه باهانة حرمة الاسلام .

كان طه معجزة فى الادب العربى . اهدى للعالم اربعين كتابا فى نصف قرن. وليس فرع فى الادب الا وطه قد طبع فيه شخصيته الفذة . فهو مؤرخ ، وروائى ، وناقد ، وشاعر، وفلسفى ، ومترجم ، وكاتب قصة ومسرحية . كان مدرسة تخرج منه الملايين من الناس ، وكان موسوعة علمية يرجع اليها كل باحث ودارس . وكان قنطرة متينة تربط بين الادب العربى والادب الفرنسى ، وجميع مؤلفاته حاز شهرة كبيرة فى العالم . وعديد منها ترجم الى لغات عالمية . فاكتسبت الاعجاب والاقبال الشديدين من القراء فى الشرق والغرب . فكتابه المشهور « دعاء الكروان » القصة الروئية الرائعة قد ترجم الى تسع لغات عالمية ، احدثها اللغة الروسية ، ثم صور فى فيلم سينمائى، فحظى بجائزة دولية كبرى - ومامن شك فى ان اشهر الكتب لطه « الايام » سيرته الذاتية . وهل يمكن لرجل ان يبد أحياته الثقافية فى هذا العصر

دون ان يقرأ هذا الكتاب ؟. فهو فريد فى اسلوبه الجذاب الممتع وموادة المبتكرة الرائعة . فلاغرابة اذا ترجم هذا الكتاب الى اللغة الانجليزية والفرنسية والالمانية والتركية والصينية والعبرية . وقد بين طه سيرة الرسول فى كتابه « على هامش السيرة » على احدث اساليب القصة

اسمحوالى ان التزم الصمت عن كتبه الاخرى خوفا من التطويل ، ولكن لايفوتنى الذكر عن كتاب الفه فى حياة ابى العلاء المعرى وانتاجه الفنى . وكان الكتاب رسالة قدمها لنيل الدكتوراه من الجامعة المصرية . طه والمعرى كلاهما اديبان مكفوفا البصر .

كان طه اول اديب عربى رشح لجائزة نوبل . ولكن الصهيونية العالمية التى تضغط على لجنة الجائزة حولتها الى اديب من استراليا . وقد ابدى طه رأية فى جائزة نوبل : « اناغير مهتم بجائزة نوبل . وما اظنها تمنح لكاتب مصرى . اناغير راض عن ترشيحى . وبالقالى فان امر جائزة نوبل لا يهمنى اطلاقا » . جاءت لطه برقية من الامم المتحدة قبل وفاته بساعات . كان مفادها ان اليونسكو العالمية تريد ان تمنح له جائزة دولية كبرى فى العاشر من ديسمبر ١٩٧٣ ، ولكن الله اختاره اليه قبل ذلك الموعد . وكان طه اول اديب ينال جائزة الدولة التقديرية فى مصر ، كماهو اول اديب تهدى قلادة النيل التى تعتبر ارفع الاوسمة

لايهمنى ان اذكر تاريخ طه ، حتى اقول كعادة الكتاب انه ولد فى سنة كذا ، ومات فى سنة كذا ، والف كذا ، ونال من التكريم هذا اوذاك . لان طه اكبر من هذا كله . ولكن اذاكان لازما لكم ذكر التاريخ فاقول انه ولد فى السنة التى ولد فيها العقاد ونهرو وتوربينى وهتلر من اعلام هذا العصر ، فى سنة ١٨٨٩ . كان مولده فى قرية صغيرة من صعيد مصر . لعلكم تشتاقون ان تعرفوا كيف فقد طه بصره ؟ فى سنه الثالثة اصابه الرمد ففاهمل اهمالا ثم دعى الحلاق ، فعالجه علاجا ، ذهب بعينيه » كذابين طه قصة عينه فى سيرة ذاته . ولما يبلغ العاشرة من عمره حتى اتم الدراسة الابتدائية ، وحفظ القرأن الشريف من كتاب القرية . ثم التحق هذا الطفل الضرير بالازهر الشريف ، فاقبل على العلم بكل شغف ونشاط . وبعد ان قضى

فى الازهر عشر سنوات ونبغ فى العلوم الدينية والادبية سارع الى الالتحاق بالجامعة المصرية، واستطاع بعد سنوات قليلة ان يخرج بكتابه الرائع الغنى عن ابى العلاء المعرى لنيل الدكتوراه. وهذه الرسالة مهدت له السفر فى بعثة دراسية الى فرنسا، حيث، التحق بجامعة سوربون عام ١٩١٤ ـ فدرس الفرنسية واللاتينية والتاريخ القديم والحديث، حتى عاد بعد خمس سنوات حائزا درجة الدكتوراه الدول. ثم انضم فى اسرة الجامعة المصرية استاذا للتاريخ القديم. ولم تمض سنوات حتى صار عميدا لكلية الآداب. وكان طه مستشارا لوزارة المعارف فى سنة ١٩٤٥. ولما عين وزيرا للمعارف سنة ١٩٥٢ انفد جميع البرامج التقدمية التى كان بعدها للشعب وقد عمل طه حسين مدير الجامعة الاسكندرية، كما تولى فترة رئاسة تحرير جريدة « الجمهورية »

اسمحوا الى ايها الطلبة، اذ سئمتم هذا الحديث الممل، ان اذكر لكم قصة حب طريفة من حياة طه حسين. لما كان طالبا فى جامعة سوربون كانت فتاة مثقفة فرنسية تزوره حينا فحينا فى مسكنه بباريس، وتقرأ له بعض الكتب الفرنسية. فكانت انساله فى وحشته تلك المظلمة. ففى يوم من الايام المت بالفتاة علة طارئة، فاقبل طه يعودها، ويجلس عندها طويلا. ثم لا يدرى كيف خرج منه تلك الكلمة. قال طه « انى احبك » فاجابت الفتاة: « انا لا احبك » قال طه: واى بأس بذلك، لاريد لحبى صدى ولاجوابا، وانما انا احب وحسب ». ثم لم يجد منها جوابا، وغيرت مجرى الحديث، وانصرف عنها بعد ساعات. ولاشك ان نفسه كانت قد تعلقت بتلك الفتاة المثقفة، اوقل بذلك الصوت العذب كما يصفها طه. ولكن كان يستحيى من حبه حتى ان يحدث به الى نفسه. وقد استيقن انه لم يخلق لمثل هذا الشعور. واين ذلك الضرير من الحب؟ اليس محرما على نفسه ما اباح الله للناس من طيبات الحياة. ثم تمضى الايام، وهى تزوره كما تعودت، كانه لم يقع شيئ. فلما كانت عطلة صيف تفصل بينهما الرسائل، ودعته ان يقضى بقية صيفه فى اسرتها، حتى تتم بينهما عقد الزواج، يقول طه فى سيرة ذاته: « انها جعلت شقاءه سعادة، وضيقه سعة، وبؤسه نعيما، وظلمته نورا » فأحب ان يسميها نور عينيه

وليس من العدل ان اغض البصر عن الاعتراضات العنيفة التى عصفت حول طه حسين . ولكن ما اكثرها زودت المكتبة العربية من الكتب القيمة . لما اصدر طه كتابه المشهور «الشعر الجاهلى» اثار ضجة كبيرة فى العالم العربى والاسلامى . واتهم طه بالالحاد والزندقة . والحق ان هذا الكتاب ماكان يحوى بيانات واضحة تخالف مفاهيم الدين والتاريخ مخالفة مباشرة . بل الواقع ان منهج طه فى النقد والتحليل الادبى لم يسغه اكثر الناس . لان الوجدان العام فى تلك الأونة ماكان ناميا حتى يحتمل معايير الفكر العلمى واساليب البحث الحديث ، ومافيها من طريق التحليل والاستدلال والمقارنة والاستنباط ، ومافيها من شك واثبات ونفى . وقال طه لمن اتهمه فى دينه : « انى لم ارد اهانة الدين ، ولم اخرج عليه . وماكان لى ان افعل ذلك . وانا مسلم اؤمن بالله وملئكته وكتبه ورسله واليوم الآخر» : ويدل على صدقه واخلاصه ان الكتاب لما طبع ثانيا عدل منها الفصول التى طعن فيها العلماء . والكتاب الثانى الذى تعرض للانتقاد الشديد هو « مستقبل الثقافة فى مصر » . وان الدكتور حسين فوزى يقول : « ان المصريين حققوا كثيرا من البرامج منذ هذا الكتاب »

واذا حللنا شخصية طه تحليلا وافيا نرى فيها ظواهر عجيبة . فاذا كنت صادقا فى الرأى فتضطر ان تنسى طه القديم الذى تراه فى كتبه الاولى من امثال «الشعر الجاهلى» ، وتعترف بطه الجديد الذى يناضل فى سبيل الدين ، وعزة المسلمين . لانـنا نرى تغيرا واضحا فى افكاره ومذاهبه واساليبه فى السنوات الاخيرة ، وفى كتبه الجديدة . فكتابه «مرآة الاسلام» الصادر فى ١٩٥٩ ، قبل ١٤ سنة من وفاته - مرآة صادقة تعكس صورته الصافية الجديدة . يتكلمنا فيه كمبشر يدعو الى مذهب السلف الصالح ، ويحذرنا ان نغتر بعقولنا كما اغتر ابو العلاء وامثالهم بالعقل . يقول طه : « غرهم العقل واسرفوا فى الايمان به وحكموه فيما لا يستطيع ان يحكم فيه »

ويسأل بعض الناس مارأى طه فى القرأن الشريف ، فكتابه المذكور يجيب لهم ، يقول طه « اما القرأن الكريم فهو المعجزة الكبرى التى آتاها الله رسوله الكريم آية على صدقه فيما يبلغ عن ربه ، والقرأن كله من عند الله، وهو وحدة فى روحه واعجازه » . ويختم طه كتابه ناصحا للمسلمين ان يجتهدوا ما استطاعوا فى ان يحملوا انفسهم على ان يسيروا فى امور دينهم ودنياهم سيرة النبى واصحابه والصالحين من المسلمين . هذا هو طه حسين الذى اعرفه ، والذى رسمت لى كتبه الادبية والدينية : فارى من المستحسن لمن يريد ان يدرس شخصية طه دراسة عميقة ان يرجع الى كتبه فى المواضيع المختلفة . واذا حاولنا ان ننظر الى انسان بعيون المعارضين فلا يكون عندنا منه الا صورة مشوهة غير كاملة ، لا تغنى من الحق شيأ .

يمتاز طه حسين بتأثره باسلوب القرأن الشريف ، وتقلده فى كتاباته ، وهو من اشد المتعصبين للغة الفصحى ، واكبر المعارضين للغة العامية . فلا ترى فى كتبه الا كلمات رصينة وعبارات سهلة قريبة المعنى ، وكل اعماله تكاد تعالج قضايا العصر الذى يعيش فيه

هذا ، كأنى ارى فقيد الادب طه حسين يدعونا الى رياض كتبه متغنيا بهذه الكلمات من شعره الحلو

عَرِّجْ علينا فَاقِيمُ ساعة ٭ فَعِنْدَنَا ان شئت رَوْحٌ وَرَاح